تدبّرِ قرآن

٩٦

العلق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ا۔ سورہ کا عمود اور سابق سورہ سے تعلق

یہ سورہ سابق سورہ ——— التین ——— کی مثنیٰ ہے۔ دونوں کے عمود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے۔ سابق سورہ میں تاریخی شواہد اور فطرتِ انسانی کی اعلیٰ ساخت سے یہ حقیقت نمایاں فرمائی ہے کہ انسان کے لیے فلاح کی راہ یہ ہے کہ وہ ایمان اور عمل صالح کی زندگی اختیار کرے۔ جو لوگ یہ راہ اختیار نہیں کرتے وہ بالآخر تباہی کے کھڈ میں گر کے رہتے ہیں اور اپنے اس انجام کے وہ خود ہی ذمہ دار ہوتے ہیں۔ اسی کلیہ کی روشنی میں اس سورہ میں قریش اور ان کے لیڈروں کو تنبیہ فرمائی ہے کہ یہ سیدھی راہ اختیار کرنے کے بجائے بالکل الٹی چال چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تو اپنے فضل و کرم سے ان کی رہنمائی کے لیے اپنا صحیفۂ ہدایت اتارا لیکن ان کے طغیان کا حال یہ ہے کہ اللہ کا جو بندہ ان کے لیے ایمان و عمل صالح کی راہ کھول رہا ہے یہ اس کے جانی دشمن بن کر اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ یہاں تک کہ اگر وہ اپنے رب کی نماز پڑھتا ہے تو یہ شامت زدہ لوگ اس کے بھی روادار نہیں ہیں بلکہ اس سے بالجبر روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

ب۔ سورہ کے مطالب کا تجزیہ

سورہ کے مطالب کی ترتیب اس طرح ہے:

(۱-۵) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدایت کہ اپنے اس رب کے نام سے، جو سارے جہان کا خالق ہے، تم ان لوگوں کو اس کا فرمان واجب الاذعان سناؤ۔ اسی نے انسان کو خون کے ایک تھکے سے بنایا اور وہ اس کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ ان کو پڑھ کر سناؤ اور اپنے رب کے اس فضلِ عظیم کو یاد دلاؤ کہ اس نے امیوں پر یہ عظیم احسان فرمایا ہے کہ ان کی تعلیم کے لیے اس تعلیم بالقلم کا اہتمام فرمایا اور ان کو وہ باتیں بتائیں جو وہ نہیں جانتے تھے۔

(۶-۸) قریش کے لیڈروں کے طغیان پر سرزنش کہ یہ مال و جاہ کے گھمنڈ میں خدا سے بے نیاز و بے پروا ہو بیٹھے ہیں حالانکہ ایک دن سب کو اپنے اعمال کی جواب دہی کے لیے تیرے رب ہی کی طرف

لوٹنا ہے۔

(۹-۱۳) ان سرکشوں کو خاص طور پر تہدید و وعید جو اللہ کے رسول کو نماز پڑھنے سے روکتے تھے۔ نہایت غضب آلود لہجہ میں یہ سوال کہ اگر اللہ کا بندہ ہدایت پر ہو یا تقویٰ کی بات بتا رہا ہو اور یہ سرکش تکذیب اور اعراض کر رہے ہوں تب ..... ! یعنی اس قسم کے سرکشوں کو اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ ان کی ان حرکتوں کا کیا انجام ہو سکتا ہے !

(۱۴-۱۸) ان سرکشوں پر مزید اظہارِ غضب اور ان کو چیلنج کہ کیا ان کو ہوش نہیں ہے کہ خدا ان کی یہ تمام گستاخانہ حرکتیں دیکھ رہا ہے۔ اگر یہ ان بدتمیزیوں سے باز نہ آئے تو وہ دن آ رہا ہے جب ہم ان کی نابکار اور گنہگار پیشانیوں کو گھسیٹیں گے۔

(۱۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و استقامت کی تلقین کہ ان سرکشوں کی بے ہودگیوں کی ذرا پروا نہ کرو۔ سجدہ کرو اور اپنے رب سے قریب تر ہو جاؤ۔

سُورَةُ العَلَق

مَكِّيَّةٌ ——— آيات: ۱۹

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آیات ۱-۱۹ اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ
عَلَقٍ ۝۲ اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝۳ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ
الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ ۝۵ كَلَّاۤ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَیَطْغٰۤی ۝۶
اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰی ۝۷ اِنَّ اِلٰی رَبِّكَ الرُّجْعٰی ۝۸ اَرَءَیْتَ الَّذِیْ
یَنْهٰی ۝۹ عَبْدًا اِذَا صَلّٰی ۝۱۰ اَرَءَیْتَ اِنْ كَانَ عَلَی الْهُدٰۤی ۝۱۱
اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی ۝۱۲ اَرَءَیْتَ اِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰی ۝۱۳ اَلَمْ یَعْلَمْ
بِاَنَّ اللهَ یَرٰی ۝۱۴ كَلَّا لَىِٕنْ لَّمْ یَنْتَهِ ۙ۬ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِیَةِ ۝۱۵
نَاصِیَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶ فَلْیَدْعُ نَادِیَهٗ ۝۱۷ سَنَدْعُ
ع ۱۹ ۲۱ الزَّبَانِیَةَ ۝۱۸ كَلَّا ۭ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹ السجدة

ترجمہ آیات ۱-۱۹ پڑھ اپنے اس خداوند کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ پیدا کیا انسان کو خون
کے تھکے سے۔ پڑھ اور تیرا رب بڑا ہی کریم ہے، جس نے تعلیم دی قلم کے واسطہ
سے۔ اس نے سکھایا انسان کو وہ کچھ جو وہ نہیں جانتا تھا۔ ۱-۵

ہرگز نہیں، بے شک انسان سرکشی کر رہا ہے اپنے تئیں بے نیاز سمجھ کر۔

بے شک تیرے خداوند ہی کی طرف لوٹنا ہے۔

ذرا دیکھو تو اس کو جو روکتا ہے ایک بندے کو، جب وہ نماز پڑھتا ہے۔ بھلا دیکھو تو، اگر وہ ہدایت پر ہوا یا نیکی کا حکم دینے والا ہوا ..... ! بھلا دیکھو تو، اگر اس نے جھٹلایا اور منہ موڑا .... ! کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ دیکھ رہا ہے! ۹-۱۴

ہرگز نہیں، اگر یہ باز نہ آیا تو ہم اس کو گھسیٹیں گے، چوٹی پکڑ کر، جھوٹی نابکار، گنہگار چوٹی! بس وہ بلا دے اپنی پارٹی کو، ہم بھی بلائیں گے مہرہنگوں کو! ۱۵-۱۸

ہرگز نہیں، اس کی بات نہ مان اور سجدہ کر اور قریب ہو جا۔ ۱۹

۱- الفاظ و اسالیب کی تحقیق اور آیات کی وضاحت

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ (۱)

لفظ اِقْرَاْ (پڑھو) صرف اسی مفہوم میں نہیں آتا جس مفہوم میں ایک استاد اپنے شاگرد سے کہتا ہے: پڑھو! بلکہ یہ اِقْرَاْ عَلَى النَّاسِ یا اُتْلُ عَلَى النَّاسِ یعنی دوسروں کو بطریقِ دعوت سنانے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ قرآن میں جگہ جگہ یہ لفظ اس مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً ان کفار کو مخاطب کر کے جو قرآن کے سنانے میں مزاحم ہوتے تھے، فرمایا ہے:

'اقرأ' بطریقِ دعوت سنانے کے معنی میں

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ۝ (الاعراف - ۷ : ۲۰۴)	جب قرآن سنایا جائے تو اس کو توجہ سے سنو اور خاموش رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔

سورۂ بنی اسرائیل میں ہے:

وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَيْنَكَ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۝ (بنی اسرآئیل - ۱۷ : ۴۵)	اور جب تم لوگوں کو قرآن پڑھ کر سناتے ہو تو ہم تمھارے اور ان لوگوں کے درمیان جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ایک مخفی پردہ کھڑا کر دیتے ہیں۔

قرینہ دلیل ہے کہ یہاں یہ لفظ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

'بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ' یعنی اس قرآن کو اپنے اس خداوند کے نام سے پڑھ کر سناؤ جو سارے جہان کا خالق ہے۔ یہ ایک نہایت اہم تنبیہ ہے۔ فرمایا کہ اس کو اپنے خداوند کے فرمان واجب الاذعان کی حیثیت سے پیش کرو تاکہ لوگ یہ جانیں کہ جو کلام ان کو سنایا جا رہا ہے وہ براہِ راست ربِ دو جہان کا کلام ہے۔ نہ یہ داعی کا کلام ہے، نہ کسی اور شخص کا اور نہ یہ کسی سائل کی درخواست ہے کہ رد کر دی تو وہ رد ہو جائے۔ بلکہ یہ اس خالق و مالک کا کلام ہے جس کو حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق کو حکم دے اور لوگوں کا فرض ہے کہ وہ بے چون و چرا اس کی تعمیل کریں، اس کو کوئی معمولی چیز سمجھ کر ٹالنے، مذاق اڑانے یا اس کی مخالفت کرنے کی جسارت نہ کریں۔

ایک نہایت اہم تنبیہ

یہ امر ملحوظ رہے کہ قرآن مجید براہِ راست اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ اس سے پہلے کسی کتاب کو یہ شرف حاصل نہیں کہ وہ کُل کی کُل اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ الفاظ پر مشتمل ہو۔ اس وجہ سے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم

کو ہدایت ہوئی کہ اس کو اپنے خداوند کے نام سے پیش کرو تاکہ اس کی اصلی عظمت، لوگوں پر واضح ہو اور وہ اس کی مخالفت کر کے اپنی شامت نہ بلائیں۔ قدیم صحیفوں میں حضورؐ سے متعلق جو پیشین گوئیاں ہیں ان میں بھی یہ بات واضح فرمائی گئی ہے کہ ’آپ جو کچھ کہیں گے خدا کے نام سے کہیں گے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں سے انتقام لے گا جو خدا کے نام پر کہی ہوئی اس کی باتوں کو رد کریں گے‘۔ گویا ان الفاظ سے قرآن کی اصلی عظمت بھی واضح کر دی گئی ہے اور قریش کو ڈرا بھی دیا گیا ہے کہ اگر وہ اس کی مخالفت کرنی چاہتے ہیں تو اپنے اس فعل کے انجام کو دور تک سوچ لیں۔

خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ (۲)

یہ عام کے بعد خاص کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں تمام کائنات کے پیدا کیے جانے کا ذکر ہوا۔ اب یہ خاص اہتمام کے ساتھ انسان کے پیدا کیے جانے کی طرف اشارہ ہے۔

انسان کی خلقت کے ابتدائی مراحل کی یاددہانی سے مقصود

’عَلَق‘ خون کی پھٹکی یا تھکّے کو کہتے ہیں۔ انسان کی خلقت کے ابتدائی مراحل کی یاددہانی قرآن میں جگہ جگہ فرمائی گئی ہے۔ مثلاً سورۂ حج، سورۂ مومنون، سورۂ سجدہ، سورۂ قیامہ اور سورۂ دھر وغیرہ میں۔ ہم ہر جگہ تمام اہم الفاظ کی بھی وضاحت کرتے آ رہے ہیں اور اس خاص پہلو کی طرف بھی ہم نے توجہ دلا دی ہے جو اس یاددہانی سے پیش نظر ہے۔ اس سے مقصود بالعموم تین حقیقتوں کی طرف توجہ دلانا ہوتا ہے:

- ایک یہ کہ جس خالق کی قدرت و حکمت کا یہ حال ہے کہ وہ خون کی ایک حقیر پھٹکی کو عاقل و مدرک اور سمیع و بصیر انسان بنا کر کھڑا کر دیتی ہے کیا اس کے لیے اس کو دوبارہ پیدا کر دینا مشکل ہو جائے گا۔
- دوسری یہ کہ انسان کی تخلیق میں خالق کی جو قدرتیں اور حکمتیں نمایاں ہیں وہ دلیل ہیں کہ یہ عبث اور بے غایت نہیں پیدا کیا گیا ہے بلکہ اس کے لیے ایک روزِ حساب لازماً آنا ہے اور یہ اپنے اعمال کی جزا یا سزا ضرور پائے گا۔
- تیسری یہ کہ جس انسان کی پیدائش اتنے حقیر اور ذلیل عنصر سے ہوئی ہے اس کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ وہ اپنی پاکی و پاک دامنی یا اپنے حسب و نسب کی حکایت زیادہ بڑھائے اور غرور و استکبار کا مظاہرہ کرے۔

قرآن کے بعض مقامات میں بیک وقت ان تمام حقائق کی طرف توجہ دلائی گئی ہے لیکن بعض جگہ ان میں سے ایک یا دو مد نظر ہیں۔ یہاں موقع کلام اشارہ کر رہا ہے کہ ان میں سے اوپر کی دو حقیقتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔ مقصود یہ بتانا ہے کہ خالقِ کائنات کا کلام خاص اس کے نام سے لوگوں کو پہنچاؤ اور ان کو یاددہانی کرو کہ جس خالق نے انسان کو خون کی پھٹکی سے وجود بخشا ہے وہ قادر ہے کہ اس کو دوبارہ پیدا کر کے اس کے اعمال کا محاسبہ کرے۔

اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ (۳-۴)

اہل عرب پر عظیم احسان

یہ 'اِقْرَاْ' سابق 'اِقْرَاْ' سے بدل کے طور پر آیا ہے اور یہ اسی حکم کی تاکید ہے جو اوپر دیا گیا ہے البتہ اس میں اظہار احسان کا پہلو بھی نمایاں ہے کہ قریش اللہ تعالیٰ کے اس فضل عظیم کی قدر کریں کہ اس نے ان کی ہدایت کے لیے تعلیم بالقلم کا اہتمام فرمایا۔ یہ امر واضح رہے کہ اس سے پہلے بنی اسماعیل کے پاس حضرت ابراہیمؑ و حضرت اسمٰعیلؑ کی تعلیمات سے متعلق اگر کچھ روایات تھیں تو وہ زبانی روایات کی شکل میں تھیں اور امتداد زمانہ سے ان کی شکل بھی متغیر ہو چکی تھی۔ دوسرے انبیاءؑ کی تعلیمات بھی زبانی ہی تھیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو احکام عشرہ تو ضرور لکھ کر دیے گئے لیکن موجودہ تورات کی حیثیت بس قلم بند کی ہوئی روایات کی ہے۔ اس کے اندر یہ امتیاز ناممکن ہے کہ کون سی بات اللہ تعالیٰ کے لفظوں میں ہے اور کون سی بات مجہول راویوں کے الفاظ میں لیکن قرآن کے لیے اللہ تعالیٰ نے یہ اہتمام فرمایا کہ اس کا ہر لفظ اول تو براہِ راست نطقِ الٰہی ہے، پھر اس کو زبانی روایات پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ اس کو عین اللہ تعالیٰ کے لفظوں میں تحریری طور پر محفوظ کیا گیا اور یہ کام، جیسا کہ سورۂ قلم اور سورۂ قیامہ کی تفسیروں میں وضاحت ہو چکی ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی ہدایت کے تحت کرایا تاکہ کسی حرف میں سرِ مو کوئی تغیر نہ ہونے پائے۔

مزید احسان اور ایک تنبیہ

اس اہتمامِ خاص کی طرف یہاں 'عَلَّمَ بِالْقَلَمِ' کے الفاظ سے اشارہ فرمایا ہے اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ عربوں پر ایک عظیم احسان ہوا۔ اول تو جیسا کہ ہم نے اشارہ کیا، وحی کو محفوظ کرنے کا یہ اہتمام اس سے پہلے کسی قوم کے لیے بھی نہیں کیا گیا، ثانیاً اہل عرب امّی ہونے کے باعث قلم کے استعمال سے اچھی طرح واقف نہ تھے لیکن قرآن کی بدولت انھوں نے اس کے ذریعہ وہ عظیم آسمانی خزانہ محفوظ کیا جو صرف انہی کے لیے نہیں بلکہ تمام دنیا کے لیے سرمایۂ زندگی ہے۔

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ (۵)

یہ اسی انعام و احسان کا ایک اور پہلو ہے کہ صرف تعلیم بالقلم ہی کا احسان امّیوں پر نہیں کیا بلکہ مزید احسان یہ بھی کیا کہ ان کو وہ باتیں بتائیں اور سکھائیں جو وہ نہیں جانتے تھے۔ لفظ 'انسان' اگرچہ عام ہے لیکن قرآن کے پہلے مخاطب چونکہ امّی عرب ہی تھے اس وجہ سے یہاں اصلاً وہی مراد ہیں۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضلِ خاص سے ان کو جاہلیت کی تاریکی سے نکالنے کے لیے ان پر اپنی یہ کامل ہدایت نازل فرمائی ہے۔ ان پر حق ہے کہ وہ اس کی قدر کریں۔ سورۂ جمعہ میں یہی مضمون یوں آیا ہے:

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ	وہی ہے جس نے اٹھایا امیوں میں ایک رسول
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ	انہی میں سے وہ ان کو سناتا ہے اس کی آیتیں
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ	اور ان کو پاک کرتا ہے اور ان کو سکھاتا ہے

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿﴾ (الجمعۃ ۶۲: ۲)	کتاب اور حکمت درآنحالیکہ وہ اس سے پہلے نہایت کھلی ہوئی گمراہی میں تھے۔

یہی مضمون، الفاظ کے معمولی تغیر کے ساتھ، البقرۃ: ۱۵۱، البقرۃ: ۱۲۹ اور آل عمران: ۱۶۴ میں بھی گزر چکا ہے اور ہم بقدر کفایت اس کی وضاحت کر چکے ہیں۔

اس آیت میں جہاں اظہار احسان ہے وہیں اس کے اندر قریش کے لیے ایک تنبیہ بھی ہے کہ اگر انھوں نے اپنے رب کی اس سب سے بڑی نعمت کی قدر نہ کی تو سوچ لیں کہ ان کی اس ناسپاسی اور اس طغیان کا نتیجہ ان کے سامنے کس شکل میں آ سکتا ہے!

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓ ﴿﴾ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى (۶-۷)

یہ ان کے اس رویّہ کا بیان ہے جو انھوں نے اس ہدایت کے معاملے میں اختیار کیا۔ فرمایا کہ وہ اس رحمت کی قدر کرنے کے بجائے نہایت سرکشی کے ساتھ اس کی تکذیب کر رہے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو جو مال و اسباب حاصل ہے اس کو پا کر وہ اب خدا سے اپنے کو بالکل مستغنی خیال کرنے لگے ہیں۔

قریش کے رویہ کا بیان: اس آیت کا آغاز 'کَلَّآ' سے جو ہوا ہے اس سے مقصود قریش کی ان سخن سازیوں کی تردید ہے جو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کی تکذیب کے لیے کرتے تھے۔ فرمایا کہ ان کی یہ سخن سازیاں محض حقیقت پر پردہ ڈالنے کے لیے ہیں۔ ان کے انکار کی اصل علت ہے تو خدا سے ان کی بے نیازی اور دنیا کی محبت لیکن نمائش یہ کر رہے ہیں کہ گویا ان کے پاس کچھ شبہات ہیں جن کا کوئی تسلی بخش جواب ان کو نہیں مل رہا ہے۔

اِنَّ اِلٰى رَبِّكَ الرُّجْعٰى (۸)

'رُجْعٰى' مصدر ہے 'بُشْرٰى' کے وزن پر، لوٹنے کے معنی میں۔

تنبیہ اور آخرت کی یاددہانی: فرمایا کہ یہ جو کچھ کر رہے ہیں کر لیں، بالآخر ان کو لوٹنا تمھارے رب ہی کی طرف ہے جس سے یہ مستغنی اور بے خوف ہیں۔ اس وقت ان کے طغیان کی حقیقت ان کے سامنے کھل جائے گی۔ اگر ان کو گمان ہے کہ ان کے مزعومہ شرکا ان کے کوئی مرجع بنیں گے تو ان کے اس وہم سے بھی پردہ اٹھ جائے گا۔ اس دن بادشاہی صرف اللہ کی ہو گی اور اس کی پکڑ سے پناہ دینے والا کوئی نہیں ہو گا۔

اَرَءَيْتَ الَّذِيْ يَنْهٰى ﴿﴾ عَبْدًا اِذَا صَلّٰى (۹-۱۰)

قریش کے سرگرُوں کے طغیان کی ایک مثال: یہ ان کے اس طغیان کی ایک مثال بیان ہوئی ہے جس کا ذکر اوپر ہوا۔ فرمایا کہ بھلا دیکھو تو اس کو جو ایک بندے کو روکتا ہے جب کہ وہ نماز پڑھتا ہے! یہ قریش کے ان اشقیا کی طرف اشارہ ہے جو

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اور دوسرے مسلمانوں کو بھی نماز سے روکتے تھے۔ بندے پر اس کے رب کا اولین حق اس کی بندگی ہے اور بندگی میں اولین درجہ نماز کا ہے اس وجہ سے جو بندہ نماز پڑھ رہا ہے وہ اپنے رب کا سب سے بڑا حق ادا کر رہا ہے اور سزاوار ہے کہ سب اس کے اس کام کو عزت و احترام کی نگاہوں سے دیکھیں اور اس کے کاموں کو قابلِ تقلید جانیں۔ اگر کوئی اس چیز سے روکنے کی جسارت کرتا ہے تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ بندے کو سب سے بڑے فرض اور خدا کے سب سے بڑے حق سے روک رہا ہے۔

'اَرَءَیْتَ' کے اسلوب پر ہم جگہ جگہ لکھ چکے ہیں کہ یہ اس وقت لاتے ہیں کہ جب کسی کی نہایت نامناسب حرکت پر لوگوں کو توجہ دلانی یا اس پر نکیر کرنی ہو۔ جس طرح ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں 'بھلا دیکھا تم نے اس کو، کیا تم نے اس کا حال دیکھا، ذرا اس کو تو دیکھو'۔

'اَلَّذِیْ' سے ضروری نہیں کہ کوئی ایک معین شخص ہی مراد ہو بلکہ یہ اس طرح کی بے ہودہ حرکت کرنے والوں کو ممثل کر دینے کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت ہم اس کے محل میں کر چکے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز سے روکنے والا صرف ابوجہل ہی نہیں تھا بلکہ دوسرے گنڈے بھی تھے اور یہ گنڈے صرف حضور ہی کی نمازوں میں مزاحم نہیں ہوتے تھے بلکہ اللہ کے دوسرے بندوں کے ساتھ بھی وہ اسی طرح کی بدتمیزیاں کرتے تھے۔

اَرَءَیْتَ اِنْ کَانَ عَلَی الْهُدٰیٓ ۙ اَوْ اَمَرَ بِالتَّقْوٰی (۱۱-۱۲)

اقدام سے پہلے سوچنے کی ضرورت

یعنی اس مجنونانہ اقدام سے پہلے اسے سوچنا تھا کہ اسلام دشمنی کے جوش میں اسے اتنا اندھا نہیں بن جانا چاہیے کہ اپنے انجام کا بھی کچھ ہوش نہ رہے۔ آخر امکان اس بات کا بھی تو ہے کہ یہ اللہ کا بندہ نیکی اور ہدایت پر ہو اور اپنے قول و عمل سے تقویٰ کی راہ دکھا رہا ہو اور یہ اس کو اس سے روک کر اپنی شامت کو دعوت دے رہا ہو! مطلب یہ ہے کہ آخر کس دلیل سے وہ اپنے کو برحق سمجھ کر وہ کام کرنے اٹھ کھڑا ہوا ہے جو شیطان کے کرنے کا ہے!

اَرَءَیْتَ اِنْ کَذَّبَ وَتَوَلّٰی (۱۳)

دوسرے امکان کا حوالہ

یہ اس دوسرے امکان کا حوالہ ہے جس کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا۔ یعنی کوئی بتائے کہ اگر یہی تکذیب کرنے والا اور حق سے منہ موڑنے والا ہوا تب ...... ! یعنی تب تو اس نے اپنے لیے جہنم کا دروازہ خود اپنے ہی ہاتھوں کھولا! یہاں عربیت کا وہ قاعدہ ملحوظ رہے جس کی طرف ہم جگہ جگہ اشارہ کر چکے ہیں کہ بعض مرتبہ شرط کا جواب اس وجہ سے بھی حذف کر دیا جاتا ہے کہ اس کی سنگینی احاطۂ بیان سے باہر ہوتی ہے۔ یہاں اسی وجہ سے جواب محذوف ہے۔ اس کی ایک مثال سورۂ یونس میں بھی موجود ہے۔

رسول کی تکذیب کرنے اور اس کی دعوت سے منہ موڑنے والوں کا انجام سورۂ لیل میں یوں بیان ہوا ہے:

لَا يَصْلٰهَآ اِلَّا الْاَشْقَى ۙ الَّذِيْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ۗ (الّیل - ۹۲ : ۱۵ - ۱۶)	اس جہنم میں وہی بدبخت خلائق پڑیں گے جنھوں نے جھٹلایا اور منہ موڑا۔

اَلَمْ يَعْلَمْ بِاَنَّ اللّٰهَ يَرٰى (۱۴)

یعنی کیا اس نے نہیں جانا کہ اللہ تعالیٰ اس کی یہ ساری تعدیاں دیکھ رہا ہے! اگر وہ دیکھ رہا ہے اور ضرور دیکھ رہا ہے تو اس کا انتقام وہ ضرور لے گا۔ وہ عادل، رحیم، عزیز اور غیور ہے۔ اس کے بندے اگر اس کی بندگی سے روکے جائیں تو وہ کس طرح گوارا کر سکتا ہے کہ وہ تماشائی بن کر اس کا تماشا دیکھتا رہے۔

كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ ۙ لَنَسْفَعًۢا بِالنَّاصِيَةِ (۱۵)

سرکشوں کو تند الفاظ میں وعید — یہ اس قسم کے سرکشوں کو نہایت تند الفاظ میں وعید ہے۔ فرمایا کہ اگر یہ ان حرکتوں سے باز نہ آیا تو ہم اس کی چوٹی پکڑ کر گھسیٹیں گے۔ 'نَاصِيَة' پیشانی اور پیشانی پر بکھرے ہوئے بالوں کو کہتے ہیں۔ 'سَفْع' کسی چیز کو مٹھی میں پکڑ کر کھینچنے اور گھسیٹنے کے معنی میں آتا ہے۔ سورۂ رحمان میں اسی طرح کے سرکشوں کے بارے میں فرمایا ہے: 'فَيُؤْخَذُ بِالنَّوَاصِيْ وَالْاَقْدَامِ' (الرحمٰن - ۵۵ : ۴۱) (پس وہ چوٹیوں اور ٹانگوں سے پکڑ کر جہنم میں پھینک دیے جائیں گے)۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ (۱۶)

یہ 'اَلنَّاصِيَة' سے بدل ہے۔ اگرچہ دونوں میں معرفہ اور نکرہ کا فرق ہے لیکن نکرہ موصوف ہو تو معرفہ سے بدل پڑ سکتا ہے۔ یہاں اس جوشِ غضب پر خاص طور سے نگاہ رہے جو اس آیت کے ہر لفظ سے ابل رہا ہے۔ ان نابکاروں کی چوٹی کا ذکر انتہائی غضب آلود الفاظ میں فرمایا: 'نابکار اور گنہگار چوٹی!' — چہرہ اور پیشانی آدمی کی ذات کے سب سے اشرف حصے ہیں اس وجہ سے ان سے بعض اوقات اس کی پوری شخصیت تعبیر کر دی جاتی ہے۔ یہاں یہی صورت ہے۔ یہ امر بھی ملحوظ رہے کہ آدمی کی پیشانی کے لیے سب سے بڑا شرف سجدوں کا نشان ہے۔ اگر کوئی شخص اتنا شقی ہے کہ وہ نہ صرف یہ کہ خود سجدہ نہیں کرتا بلکہ دوسروں کو سجدہ کرنے سے روکتا بھی ہے تو ایسا نابکار و گنہگار سزاوار ہے کہ اس کی چوٹی پکڑ کر اس کو گھسیٹا اور جہنم میں جھونک دیا جائے۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهٗ ۙ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ (۱۷ - ۱۸)

سرکشوں کو چیلنج — یہ ان سرکشوں کو چیلنج ہے کہ اگر کسی کو اپنی قوت و جمعیت پر بڑا ناز ہے تو وہ اپنی ٹولی کو بلائے، ہم بھی اپنے سرہنگوں کو بلائیں گے اور دیکھیں گے کہ ان کے اندر کتنا زور ہے! — اس چیلنج کا عملی امتحان بعد کے دور میں سب سے پہلے بدر کے معرکہ میں ہوا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ خدا کے سرہنگوں

کے آگے قریش کی پوری قوت و جمعیت کس طرح غبار بن کر اڑ گئی۔

'نَادِیَ' کے اصل معنی مجلس اور سوسائٹی کے ہیں۔ یہاں مراد وہ افراد ہیں جو کسی رشتۂ عصبیت کے تحت باہم دگر وابستہ ہیں۔ موقع و محل کا لحاظ کر کے اس کا اس کا ترجمہ 'ٹولی' یا پارٹی ہو سکتا ہے۔

'زَبَانِیَۃ' جمع ہے 'زِبْنِیَۃ' کی جس کے اصل معنی تو دفاع کرنے والے کے ہیں لیکن یہ پولیس اور پیادوں کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ میں نے موقع و محل کا لحاظ کر کے اس کا ترجمہ 'سرہنگوں' کیا ہے۔ گویا یہ خدائی ٹاسک فورس کے وہ کرّوبی ہیں جو خاص نوعیت کی وقتی مہمات پر بھیجے جاتے ہیں۔

كَلَّا ۚ لَا تُطِعْهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (۱۹)

نبی صلعم کو ہدایت — فرمایا کہ اگر کوئی سرپھرا تمھیں خدا کے آگے سجدہ کرنے سے روکتا ہے تو اس کی اس حرکت کو خاطر میں نہ لاؤ بلکہ سجدہ کرو اور اپنے رب سے قریب تر ہو جاؤ۔ یہ امر یہاں واضح رہے کہ قرآن نے جگہ جگہ نماز ہی کو صبر و عزیمت اور فتح باب نصرت کی کلید بتایا ہے اور سجدہ نماز کا سب سے اعلیٰ رکن ہے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ یہ کس کی مجال ہے کہ تمھیں اس چیز سے روک دے جو تمھاری زندگی کی غایت اور خدا سے تعلق کا واحد وسیلہ ہے۔ اگر کوئی ایسی جسارت کرتا ہے تو تم اس کے شر سے خدا کی پناہ چاہو جس کا واحد طریقہ اس کے آگے سربسجود ہونا ہے۔

۲۔ سورہ کا زمانۂ نزول

سورۂ علق کی تفسیر تمام ہوئی۔ اب اس پوری سورہ پر تدبر کی نگاہ ڈال کر اس کے زمانۂ نزول پر غور کیجیے۔ کسی سورہ کے زمانۂ نزول کے متعین کرنے میں سب سے زیادہ مدد اس کے مضمون، اس کے لب و لہجہ اور اس کے خطاب و انداز خطاب ہی سے ملتی ہے۔ اس وجہ سے میں نے اس سوال کو تمہیدی مباحث میں چھیڑنے کے بجائے یہاں اٹھایا ہے تاکہ اس مسئلہ میں ہمارے مفسرین کے درمیان جو اختلاف ہے آپ خود اس کا فیصلہ کر سکیں۔

— اس کے زمانۂ نزول سے متعلق مشہور قول تو یہ ہے کہ قرآن میں سب سے پہلے یہی سورہ نازل ہوئی۔ بعض پوری سورہ کو سب سے پہلے نازل ہونے والی قرار دیتے ہیں لیکن اکثریت پوری سورہ کو نہیں بلکہ اس کی صرف ابتدائی پانچ آیتوں کو یہ درجہ دیتی ہے۔ اس قول کی بنیاد صحیحین کی ایک روایت پر ہے۔

— دوسرا قول صاحب کشاف کا ہے، جو انھوں نے اپنی تفسیر میں بدیں الفاظ نقل کیا ہے:

'واکثر المفسرین علی ان الفاتحۃ اول ما نزل ثم سورۃ القلم' (اور اکثر مفسرین اس قول پر

ہیں کہ سورۂ فاتحہ سب سے پہلے نازل ہوئی پھر سورۂ قلم۔ بعض مفسرین نے اس رائے سے اختلاف کیا ہے لیکن بعض نے اسے اختیار بھی کیا ہے۔

• ایک تیسرا قول یہ ہے کہ سورۂ مدثر سب سے پہلے نازل ہوئی۔ اس قول کے قائلین بھی غالباً اس کی ابتدائی آیات ہی کو سب سے پہلے نازل ہونے والی قرار دیتے ہوں گے اس لیے کہ باقی سورہ کا لب ولہجہ اور انداز خطاب سورۂ علق کی طرح اتنا تیز و تند ہے کہ اس کو سب سے پہلے نازل ہونے والی سورہ قرار دینا کسی طرح ممکن نہیں ہے۔

میرے نزدیک یہ پوری سورہ بالکل ہم آہنگ و ہم رنگ ہے۔ اس کی ابتدائی پانچ آیتوں کا مزاج بھی بعد کی آیتوں سے کچھ مختلف نہیں ہے۔ سورہ کا انداز خطاب و کلام اتنا تیز و تند ہے کہ بالکل پہلی ہی سورہ میں یہ انداز سمجھ میں نہیں آتا کہ کیوں اختیار فرمایا گیا۔ علاوہ ازیں سورہ کے الفاظ میں کوئی قرینہ یا اشارہ ایسا موجود نہیں ہے جس سے اس کا دو الگ الگ قسطوں میں نازل ہونا معلوم ہوتا ہو۔ هذا ما عندي والعلم عند الله وعلمه احكم واتم و"آخر دعوانا ان الحمد لله رب العٰلمين۔

لاہور
۴۔ مارچ ۱۹۸۰ء
۱۶۔ ربیع الثانی ۱۴۰۰ھ